بیوی کے سابقہ نفقہ کی شرعی حیثیت

ابوالحسن شبیر احمد *

سلطان محمود خان**

ایک شوہر اگر اپنی بیوی کا واجب الادا خرچہ بروقت ادا نہ کرے اور بیوی ذاتی طور پر یا قرض لے کر یا کسی کے عطیہ اور منت سماجت سے، مشقت کے ساتھ یا بغیر مشقت کے، اپنا وقت گزار لے تو اسے اسلامی قانون میں بیوی کا "سابقہ خرچہ" کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ بیوی کے تمام اخراجات کی ذمہ داری کتاب وسنت کی روشنی میں فقہائے اسلام کی متفقہ رائے کے مطابق اس کے شوہر پر عائد ہوتی ہے(۱) اب سوال یہ کہ بیوی کے سابقہ اخراجات جو بروقت ادا نہ کیے گئے ہوں ان کے متعلق شوہر کی ذمہ داری کی نوعیت کیا ہے؟ تو اس حوالے سے فقہاء کرام کے اجتہادات یہ ہیں:

فقہاء احناف کی رائے ہے: "إذا مضت مدة لم ينفق الزوج عليها وطالبته بذالک فلاشئ لها إلا أن يكون القاضى فرض لها النفقة أوصالحت الزوج على مقدار"(۲)(جب شوہر نے بیوی کو خرچہ نہ دیا ہو اور وقت گزر جانے کے بعد بیوی اس کا مطالبہ کرے تو وہ کسی چیز کی حق دار نہیں ہے، سوائے اس کے کہ قاضی نے نفقہ مقرر کر دیا ہو یا نفقہ کی ایک خاص مقدار پر میاں بیوی دونوں متفق ہو گئے ہوں تب سابقہ نفقہ شوہر پر لازم ہو گا)۔

زوجین کے اتفاق سے متعین کئے جانے والے نفقہ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب بحر الرائق فرماتے ہیں: "فرض لها الزوج شيأ معينا كل يوم ثم مضت مدة فإنها لاتسقط"(۳)(شوہر اپنی بیوی کے لئے روزانہ کے نفقہ کی ایک خاص مقدار اپنے اوپر فرض قرار دیدے پھر ایک عرصہ تک وہ مقدار ادا کرتا رہے تب وہ نفقہ اس سے ساقط نہیں ہو گا)۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک بیوی کا سابقہ نفقہ قاضی کے فیصلے یا شوہر کی طرف سے باقاعدہ نفقہ کی مقدار کے تعین کے بغیر شوہر پر لازم نہیں ہوتا خواہ شوہر جان بوجھ کر بیوی کا یہ حق سلب کر چکا ہو۔ اس کے ساتھ انھوں نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ اگر زوجین میں سے کسی ایک کی یا دونوں کی وفات ہو جائے یا طلاق ہو جائے یا بیوی نافرمانی اختیار کر لے تو ان صورتوں میں قاضی کے فیصلے کے باوجود بھی سابقہ نفقہ ساقط ہو جائے گا۔(۴)

تاہم ان کے نزدیک درج ذیل صورتوں کا استثنا کیا گیا ہے:

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، بہاولپور، پاکستان

**لیکچرر شعبہ حدیث وسیرت، دی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، بہاولپور، پاکستان

(1) ایک ماہ سے کم عرصے کا سابقہ نفقہ ہو ۔(۵)

(2) جس ماہ میں بیوی نے مقدمہ کیا ہو اسی مہینہ کے گذشتہ ایام کا نفقہ ہو (۶)۔

(3) شوہر نے سابقہ نفقہ سے بچنے کے لئے طلاق دی ہو (۷)۔

(4) قاضی یا شوہر کے حکم سے بیوی نے قرضہ لیا ہو (۸)۔

تو صرف ان صورتوں میں حنفیہ کے ہاں سابقہ خرچہ کی ادائیگی ضروری ہے مگر ان کے علاوہ عام طور پر ضروری نہیں۔

مالکیہ کے نزدیک اگر مرد صاحب حیثیت ہونے کے باوصف بھی نفقہ نہ دے تو ماضی کا نفقہ اس پر واجب رہے گا خواہ قاضی نے فیصلہ دیا ہو یا نہ (۹)۔اور ناداری کے دوران کا سابقہ نفقہ دینا ان کے ہاں ضروری نہیں (۱۰)۔ علمائے شوافع فرماتے ہیں کہ بیوی کی سپردگی کے بعد شوہر جب بھی کچھ عرصے کا نفقہ نہ دے تو وہ اس پر قرض ہو گا (۱۱)۔ خواہ شوہر مالدار ہو یا تنگ دست اور چاہے حاکم نے وجوب نفقہ کا حکم صادر کر دیا ہو یا نہ (۱۲)۔ جبکہ حنبلی مکتب فقہ کی رائے یہ کہ اگر شوہر نے قدرت کے باوجود بیوی کا نفقہ نہیں دیا تو اس پر اگر خوشحالی یا متوسط درجے کا نفقہ واجب تھا تو وہ سابقہ نفقہ مکمل طور پر واجب ہو گا اور جس نے تنگ حالی کی بنا پر نفقہ نہ دیا ہو تو اس پر ہر حال میں صرف ادنیٰ درجے کا سابقہ نفقہ لازم ہو گا (۱۳)۔

خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے ہاں قاضی یا شوہر کی طرف سے نفقہ کی مقدار کے تعین کے بغیر ایک ماہ یا اس سے زیادہ کا سابقہ نفقہ عموماً واجب نہیں ہے بلکہ زوجین میں سے کسی ایک کی موت یا طلاق کی صورت میں قاضی یا شوہر کی طرف سے مقدار نفقہ کے تعین کے باوجود بھی سابقہ نفقہ لازم نہیں۔ مالکیہ کے نزدیک مالدار ہونے کے باوجود جو خرچہ نہ دیا گیا ہو صرف اس کی ادائیگی واجب ہے۔اور شوافع اور حنابلہ کا قول یہ کہ بیوی کی رہائش کے علاوہ باقی ہر طرح کا سابقہ نفقہ شوہر کے ذمہ قرض ہے۔ گویا کہ عمومی طور پر احناف بیوی کے سابقہ نفقہ کے عدم وجوب کے قائل ہیں، ائمہ ثلاثہ اس کے وجوب پر متفق ہیں اور اس مسئلہ میں امام ابن قیمؒ احناف کے ساتھ ہیں۔ذیل میں فریقین کے دلائل اور ان کے ممکنہ جوابات ذکر کر کے کتاب وسنت اور اصول فقہ کی روشنی میں ان کا تحقیقی تجزیہ کرنے کی طالب علمانہ کوشش کی جا رہی ہے۔

سابقہ خرچہ کے عدم وجوب کے دلائل:

دلیل اوّل: بیوی کا نفقہ بنیادی طور پر فریضہ نہیں بلکہ ہدیہ ہے کیونکہ قرآن مجید میں اسے ''رزق'' کے لفظ سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف﴾ (۱۴) (بیویوں کی خوراک اور لباس کا خرچہ معروف طریقے سے بچے کے باپ کے ذمہ ہے)۔ عربی زبان میں ''رزق'' ہدیہ اور عطیہ کو کہا جاتا ہے

جیسے "رزق القاضی" سے مراد قاضی کا ہدیہ ہے اور ہدیہ بذات خود لینے والے کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ کسی سبب اور قرینہ کی وجہ سے اس کی ملکیت میں آتا ہے(۱۵)۔

جواب: اس حوالے سے قرآن مجید کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ لفظ "رزق" محض ہدیہ کے معنی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ لفظ قرآن حکیم میں مختلف مفاہیم میں استعمال ہوا ہے:

(i) خریدا ہوا کھانا(۱۶)۔

(ii) حلال طریقے سے کمائی ہوئی دولت(۱۷)۔

(iii) اجر(۱۸)، خراج(۱۹) بدلہ اور معاوضہ(۲۰)۔

اگر غور کیا جائے تو مذکورہ مفاہیم میں سے بدلہ کا مفہوم بیوی کے نفقہ سے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے اور مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں اس کے ساتھ لفظ "علی" بھی موجود ہے جس سے بیوی کے نفقہ کا قطعی وجوب اس کی خدمات کے معاوضہ کے طور پر ثابت ہو رہا ہے۔

علاوہ ازیں جب ایک بار بیوی کا نفقہ کتاب و سنت اور اجماع اُمت سے واجب قرار پا چکا ہے تو پھر سابقہ نفقہ کی بحث میں اگر ہم بیوی کے نفقہ کو بنیادی طور پر استحبابی ہدیہ کہیں گے تو کیا یہ ہمارا فکری تضاد نہیں ہوگا؟ سابقہ نفقہ کے عدم جواز کے قائلین کو چاہئے یہ تھا کہ وہ اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لئے یہ کہتے کہ بیوی کا نفقہ بنیادی طور پر تو ایک فرض ہے لیکن سابقہ نفقہ کی بعض صورتیں اس سے مستثنیٰ اور خارج ہیں تو ایسا کہنے سے کم از کم فکری تضاد پیدا نہ ہوتا۔

دلیل دوم: یہ کہ ان کے نزدیک بیوی کے عقد نکاح کا حقیقی عوض صرف مہر ہے کیونکہ فرمان الٰہی ہے: "فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً"(۲۱)(تم اپنی بیویوں سے جو فوائد حاصل کرتے ہو تو ان کا معاوضہ بھی انھیں عطا کرو جو کہ تم پر فرض ہے) احناف کے نزدیک اس آیت میں معاوضہ سے بیویوں کا مہر مراد ہے نہ کہ نفقہ اور وہ کہتے ہیں کہ مہر کے برعکس نفقہ دو حیثیتیں رکھتا ہے۔ ایک حیثیت سے وہ بیوی کے احتباس (شرعی پابندیوں) کا بدلہ ہے جس کے نتیجے میں شوہر کو ازدواجی اور معاشرتی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن دوسری حیثیت سے وہ بیوی کی کسی چیز کا بدلہ نہیں ہے کیونکہ ازدواجی رشتہ سے حاصل ہونے والے منافع (مثلاً عفت و پاکیزگی، نسب کی حفاظت اور اولاد وغیرہ) دونوں میں مشترک ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

نفقہ کی ان دونوں حیثیتوں اور جہتوں کی وجہ سے ان حضرات کے نزدیک نفقہ کو محض بیوی سے حاصل ہونے والے منافع کا بدلہ اور معاوضہ نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نفقہ معاوضہ کے مشابہ ہے۔ اس مشابہت کی بنیاد پر وہ واجب تو کر دیا گیا ہے لیکن بروقت ادا نہ ہو تو گزشتہ نفقہ کے لئے قاضی یا شوہر کی طرف سے پیشگی منظوری اور تعیین

ضروری ہے(۲۲)۔امام ابن قیمؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں: ''فالمعاوضة انما هى بالصداق وانما النفقة لكونها فى حبسه فهى عانية عنده كالأسير''(۲۳)(بیوی کا حقیقی بدلہ مہر ہی ہے اور نفقہ تو اس لئے ہوتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کی قید میں قیدی کی طرح پابند ہوتی ہے)۔

جواب: قرآن حکیم کی مذکورہ آیت کی روشنی میں یہ ایک ناقابل انکار حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ اسلام میں ازدواجی زندگی کا قیام خاوند اور بیوی دونوں کے منافع کے باہم تبادلہ کی بنیاد پر ہے اور یہ ہر دو طرفہ حقوق وفرائض ہیں، مذکورہ آیت مبارکہ میں مہر کی تخصیص اور نفقہ کی نفی نہیں کی گئی اور نہ ہی کتاب وسنت میں کسی جگہ پر زوجین کے دوطرفہ حقوق وفرائض کو کسی خاص نوعیت اور خاص وقت کے ساتھ محدود کیا گیا ہے بلکہ واضح طور پر فرمایا﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (۲۴) (معروف طریقے سے جس طرح بیویوں کے فرائض ہیں اسی طرح ان کے حقوق بھی ہیں) اس لئے اگر شوہر کا استمتاع نکاح کے انقطاع واختتام تک جاری رہتا ہے تو بیوی کا معاوضہ بھی مہر تک محدود نہیں ہو سکتا۔

یہ ٹھیک ہے کہ بعض امور دونوں میں مشترک ہیں، جیسے گھر کی آبادی اور پر سکون زندگی۔ لیکن یہ بھی تو بالکل عیاں ہے کہ بعض امور ہر ایک سے مخصوص ہیں جیسا کہ امور خانہ داری محض بیوی سے اور بیرونی کسب معاش محض شوہر سے مختص ہیں۔ زوجین جزوقتی طور پر ازدواجی زندگی کو اختیار نہیں کرتے بلکہ دونوں ایک نئی زندگی کے قیام کے لئے اپنے آپ کو ایک معاہدہ کے تحت پابند کرتے ہیں، خصوصاً بیوی اپنے والدین کا گھر چھوڑ کر ازدواجی پابندیوں کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتی ہے تو اس لئے زوجین کے ان امور کو گڈمڈ کرنا اور بیوی کے مستقل مالی استحقاق کو کمزور کرنا شریعت کے مقاصد کے خلاف ہے۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ شوہر پوری زندگی بیوی سے جو فوائد حاصل کرتا ہے ان کا بدلہ محض مہر نہیں ہے کیونکہ مہر کی محدود مقدار کو بیوی سے حاصل کئے جانے والے مسلسل منافع کا بدلہ قرار دینا اسلامی عدل کے خلاف ہے۔ مزید یہ کہ مسلسل نفقہ کی ادائیگی کا وجوب قرآن وسنت کی صریح نصوص سے ثابت ہے اور قرآن نے شوہر اور بیوی کے حقوق وفرائض کو باہم مقابل ومتبادل کے طور پر ذکر کیا ہے تو پھر نفقہ کی متبادل ہونے کی حیثیت کو مشکوک اور مشتبہ قرار دینا کس طرح ممکن ہو گا۔

ائمہ احناف بھی نفقہ کی اس حیثیت کے معترف ہیں۔امام کاسانیؒ فرماتے ہیں: ''إن المرأة محبوسة بحبس النكاح حقاً للزوج، ممنوعة من الاكتساب بحقه فكان نفع حبسها عائد إليه فكانت كفايتها عليه''(۲۵)(بیوی نکاح کی وجہ سے شوہر کے حقوق کی ادائیگی کے لئے پابند ہے اس کے لئے ایسا کسب معاش ممنوع ہے جس سے شوہر کے حقوق تلف ہوں اور اس کی اس پابندی سے شوہر فائدہ اُٹھاتا ہے اس لئے بیوی کی مالی کفالت شوہر پر لازم

آتی ہے)۔ اس طرح معروف فقیہ مصطفی احمد زرقاؒ لکھتے ہیں: "والزواج، علاوة على مايثبت به من حل الاستمتاع بين الزوجين، ينشئ حقوقا ووجائب متقابلة بينهما من مالية وأسرية؛ منها نفقة الزوجة" (۲۶) (نکاح اور شادی کی وجہ سے زوجین کے درمیان مشترکہ منافع کی حلت کے علاوہ ایسے حقوق وفرائض ثابت ہوتے ہیں جو دونوں کے مابین ایک دوسرے کا بدل ہیں، وہ حقوق وفرائض مال اور خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور نفقہ انہیں میں ایک ہے)۔

جہاں تک مہر کا تعلق ہے وہ بھی نفقہ کی طرح بیوی کا شرعی حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شوہر کو ازدواجی امور کا نگران بنا کر بیوی پر اس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَبِمَا أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ (۲۷)(کیونکہ وہ اپنے اموال اپنی بیویوں پر خرچ کرتے ہیں)۔اس آیت میں نفقہ اور مہر دونوں کو شوہر کے انفاق میں شامل کیا گیا ہے۔البتہ شرعی احکام کے تحقیقی مطالعہ سے مہر کی حیثیت نفقہ سے کمزور معلوم ہوتی ہے کیونکہ:

1. مہر کی کم سے کم مقدار میں اختلاف ہے، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک جو چیز مالیت اور قیمت رکھتی ہو وہ بھی مہر بن سکتی ہے (۲۸)۔ لیکن اس کے برعکس نفقہ کے مختلف مدارج قرآن مجید سے ثابت ہیں (۲۹)۔ اور کم سے کم بیوی کی مناسب کفالت پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے (۳۰)۔
2. مہر عورت کی بنیادی ضرورت نہیں ہے جبکہ نفقہ اس کی بنیادی اور مستقل ضرورت ہے۔
3. مہر پر نکاح یا زندگی کا وجود موقوف نہیں ہے اور اس کی موجودگی نکاح کے لئے بالاتفاق شرط نہیں ہے (۳۱)۔ لیکن نفقہ ایسا مال ہے جس پر زندگی کا قیام موقوف ہے (۳۲)۔ اور وہ نکاح کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے اس لئے بیوی سے حاصل ہونے والے منافع اور اس کی پوری زندگی کی خدمات کا معاوضہ مہر کے دس دراہم کو نہیں قرار دیا جاسکتا۔

ان عقلی و نقلی شواہد کی روشنی میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ یہ کہا جائے کہ مہر نکاح کا حقیقی بدلہ ہے لیکن نفقہ مشکوک اور مشتبہ معاوضہ ہے کیونکہ بیوی اپنی محنت سے مرد کے گھر کو سنبھالتی ہے، اس کی اولاد کو جنم دینے کے بعد پروان چڑھاتی ہے اور قرآن اس کی ان خدمات کو خراج تحسین پیش کرتا ہے (۳۳)۔ اور قرآن کے فرمان کے مطابق ہر مرد کے عاجزانہ کندھے اولاد کی حیثیت سے ان خدمات کے سامنے جھکے ہوئے ہیں (۳۴)۔ اس لئے شریعت میں عورت کو ماں کی حیثیت سے باپ پر ترجیح دی گئی ہے لہٰذا نفقہ کی ادائیگی شوہر کا احسان نہیں، فریضہ ہے اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو سابقہ نفقہ کے انکار کی بنیاد ختم ہوگئی۔

دلیل سوم: اقارب کے سابقہ نفقہ کے عدم وجوب پر فقہاء متفق ہیں، لہٰذا جس طرح اقارب کا نفقہ واجب تو ہے مگر وقت گزرنے سے ختم ہو جاتا ہے اسی طرح بیوی کا نفقہ بھی وقت کے ساتھ ختم ہو جانا چاہئے کیونکہ اقارب کے نفقہ کی طرح بیوی کا نفقہ بھی بنیادی طور پر عطیہ ہے (۳۵)۔

جواب: اقارب کی مختلف اقسام ہیں اور ان میں چھوٹے بچے اور والدین سب سے اہم ہیں۔ جب بعض فقہاء کرام اقارب کے نفقہ کو عطیہ کہتے ہیں تو اس میں چھوٹے بچوں اور والدین کو شامل کرنا ممکن نہیں کیونکہ ان کا نفقہ بھی تعلقات کے وسیع تناظر میں والدین کی ماضی کی خدمات اور چھوٹے بچوں کی متوقع خدمات کا بدل ہونے کی حیثیت کا حامل ہے۔ جب قادر مطلق نے ماں کے جسم میں بچے کے دودھ کا نظام رکھ دیا اور جدید طبّی تحقیقات اس دودھ کو بچے کی صحت کے لئے نہایت اہم قرار دیتی ہیں تو ہم کس طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ ماں کا دودھ پلانا استحبابی ہدیہ ہے، فریضہ نہیں؟

اس کے علاوہ یہ کہ اقارب کی مختلف اقسام ہیں، اور بیوی اور اقارب کے نفقات میں شرعی اور فطری نوعیت کے کئی فرق موجود ہیں:

(i) بیوی کا نفقہ صریح نص قطعی سے ثابت ہے اور تمام اقارب کے نفقہ کے لئے اس طرح کی صریح قطعی نص موجود نہیں، بلکہ اسے قرآن حکیم کے الفاظ ﴿وعَلَى الوَارِثِ مِثلُ ذَالِک﴾ (۳٦) سے استنباط کیا گیا ہے۔

(ii) نفقۂ اقارب کے وجوب کے لئے مستحق کی احتیاج اور ذمہ دار فرد کی تونگری شرط ہے اور بیوی کا نفقہ بیوی کی تونگری اور شوہر کی تنگ دستی کے باوجود حسب استطاعت واجب ہے۔

(iii) بیوی کا انحصار محض شوہر پر ہے جبکہ قرابتدار کے ذمہ دار عموماً ایک سے زائد ہوتے ہیں۔

(iv) چوتھا فرق یہ کہ ''نفقتها مقدرة بحالهما ونفقتهٗ بالكفايةٔ ''(۳۷)(بیوی کا نفقہ میاں بیوی دونوں کے معاشرتی معیار کے مطابق ہوتا ہے جبکہ اقارب کا نفقہ بقدر کفایت ہوتا ہے)۔

(v) فطری طور پر ازدواجی تعلق اور قرابت داروں کے تعلقات میں نوعیت اور مقدار کے اعتبار سے بھی فرق ہے۔ کیونکہ اقارب کا تعلق بالعموم جزوقتی ہوتا ہے اور ازدواجی تعلق اس کے مقابلے میں مستقل اور گہرا ہے جس پر خاندانی اور معاشرتی تعلقات کا انحصار ہے، ایک انسان کے لئے والدین اور اولاد کی وقتی جدائی قابل برداشت اور مستقل جدائی ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ازدواجی تعلق کا وقتی یا مستقل انقطاع انفرادی اور معاشرتی ہر دو سطح پر اقارب کے مقابلے میں زیادہ نقصان دہ ہے کیونکہ جان بوجھ کر نفقہ ادا نہ کرنے والے مرد کے لیے بیوی کے دل میں ظلم وناانصافی کے احساسات زوجین کے اختلاف اور عدم سکون کا سبب بنتے ہیں اور بچوں کی تربیت اور گھریلو و خاندانی مختلف معاملات پر اس کے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کو اقارب کے نفقہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

دلیل چہارم: بیوی کے نفقہ کے عدم وجوب کی ایک دلیل یہ دی گئی ہے کہ نفقہ یکبارگی فرض نہیں ہوتا بلکہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ فرض ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا جب سابقہ نفقہ کا وقت گزر جاتا ہے اور بیوی کسی نہ کسی طرح وقت گزار لیتی ہے تو سابقہ نفقہ اس کی ضرورت نہیں رہتا۔ اس لئے سابقہ نفقہ کو مزدور کی مزدوری اور مکان کے سابقہ کرایہ کی طرح قرض نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ مزدوری اور کرایہ مقرر ہوتا ہے اور بیوی کا نفقہ بقدر ضرورت فرض ہوتا ہے۔ لہٰذا قاضی یا شوہر کے تقرر کے بغیر سابقہ نفقہ کی کوئی حیثیت نہیں (۳۸)۔

جواب: شریعت میں نفقہ کے علاوہ بھی کئی فرائض وقت کے ساتھ مقید ہیں جیسے نماز، زکٰوۃ وعشر، روزہ وغیرہ لیکن وقت کے ساتھ مقید ہونے والی ذمہ داری کے لئے یہ ضروری نہیں کہ مقررہ وقت کے بعد وہ ساقط ہو جائے بلکہ ہمیں اسلامی اصولوں کے تحت اسے سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ سابقہ نفقہ پر غور کیا جائے تو نفقہ کی عدم ادائیگی کی چار وجوہات معلوم ہوتی ہیں:

(i) جان بوجھ کر ادا نہ کیا گیا ہو۔

(ii) غفلت کی بناء پر ادا نہ کیا گیا ہو۔

(iii) کسی مجبوری کی وجہ سے ادا نہ کیا گیا ہو۔

(iv) مستحق کی ضرورت اتفاقاً کسی صحیح طریقے سے پوری ہوگئی ہو اور اس کی طرف سے مطالبہ کرنا مناسب نہ ہو۔

شرعی اصولوں کا تقاضا ہے کہ جو نفقہ جان کر یا غفلت سے نہ دیا گیا ہو اور اس سے بیوی کو تکلیف اُٹھانی پڑی ہو تو ایسی صورتوں میں سابقہ نفقہ ساقط نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ایسا عدم انفاق اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ اور ایسے سابقہ نفقہ کی حیثیت مزدور کی مزدوری سے زیادہ اہم ہے کیونکہ قرابت دار کا حق غیر قرابتدار سے فائق اور بیوی کا حق قرابت دار سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔

البتہ جس عدم ادائیگی میں مرد کی کوتاہی کا دخل نہ ہو اور بیوی کی ضرورت کسی تکلیف کے بغیر مکمل ہو چکی ہو یا شوہر مجبور اور نادار ہو تو ایسے سابقہ نفقہ میں اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ اور اسے مزید غور وفکر کے لئے قاضی کے اجتہاد پر چھوڑا جاسکتا ہے۔ لیکن نفقہ کی عدم ادائیگی کے اسباب وعلل کو پرکھے بغیر ہر سابقہ نفقہ کو وقت گزرنے کے بعد ساقط قرار دینا احکام اسلامی اور فقہی اصولوں کے موافق معلوم نہیں ہوتا۔

دلیل پنجم: ایک اور دلیل دیتے ہوئے حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: ''اسلام میں بیوی، اقارب اور غلاموں کا نفقہ عرف کے مطابق ہدیہ کے طور پر صرف ان کی زندگی کے بقاء کے لئے واجب کیا گیا ہے اور بیوی اپنے شوہر کی ملکیت میں ایک فرمانبردار قیدی کی طرح ہوتی ہے اور عورتوں کے لئے اگر سابقہ نفقہ کا حق تسلیم کیا گیا تو وہ آسمان سر پر اُٹھالیں گی اور

فساد برپا کر دیں گی اور شریعت میں اس طرح کے فساد کی اجازت نہیں دی جاسکتی اس لئے اس میں کوئی بھلائی نہیں کہ سابقہ نفقہ کے لئے شوہر کو مورد الزام بنایا جائے"(۳۹)۔

جواب: انسان کو جس خلافت کے منصب پر فائز کیا گیا ہے اس میں مرد کی طرح عورت، قیدی اور غلام سب شامل ہیں البتہ شریعت میں ایک طرف مقام انسانیت اور مساوی حقوق کے تعین کے باوجود بھلائیوں کے فروغ اور معاشرتی نظم واستحکام کے لئے انسانوں کے مابین برتری اور ترجیح کی دو بنیادیں فراہم کی گئی ہیں:

(i) تقویٰ، پاکیزگی، خوف الٰہی اور آخرت کی تیاری (۴۰)۔

(ii) علمی، تکنیکی، انتظامی اور استحقاقی صلاحیت واہلیت (۴۱)۔

اس لئے اسلامی معاشرے میں ایمان، اخلاص، پاکیزگی، اخلاق و کردار کے ساتھ ساتھ استحقاقی اہلیت کی بلندی اور کمزوری کی بنا پر انسانی مدارج کا ایسا فرق سامنے لایا گیا ہے جس سے کسی فرد کے بنیادی حقوق متاثر نہیں ہو سکتے سوائے مجرم کے۔

ان حقائق کی موجودگی میں صنف عورت کے لئے مطلق طور پر مجرم اور قیدی کی حیثیت کا تصور قائم کرنے کی کوئی گنجائش معلوم نہیں ہوتی اور یہ بات اسلام کے نمائندوں کو بالکل ہی زیب نہیں دیتی۔ اور جہاں تک قانون اسلام میں گھریلو نظم و ضبط کے لئے شوہر کو حاصل ہونے والی مجموعی فضیلت و برتری کا تعلق ہے تو وہ زوجین کی فطرت کے عین مطابق ہے، اور اس کے باوجود بیوی کے تقویٰ و کردار اور جزوی طور پر اس کی صلاحیت واہلیت کی فضیلت کا امکان بھی نص قطعی کی بنا پر موجود ہے، اور یہ بھی ایک قرآنی حقیقت ہے کہ انسانوں کے مابین تسلیم کردہ فضیلت اور برتری کو ایک ذمہ داری اور امانت کا بوجھ قرار دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے معمولی سی خیانت کی وجہ سے صاحب فضیلت شخص اسلامی قانون کے مطابق دھڑام سے مجرمین کی صف میں جا گرتا ہے (۴۲)۔ اور اس اصول میں واضح طور پر شوہر بھی شامل ہے۔

اس حوالے سے خطبہ حجۃ الوداع جیسے اہم خطبے میں ہے: ' استوصوا بالنساء خيراً فإنهن عند كم عوان، ليس تملكون منهن شيأً غير ذالک إلا أن يأتين بفاحشةٍ مبينة فإن فعلن فاهجروهن فى المضاجع واضربوهن ضرباً غير مبرح فإن أطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلاً"(۴۳) (اپنی بیویوں کے ساتھ نہایت اچھے طریقے سے رہو، وہ تمھارے پاس حیا اور حجاب کی پابند ہیں مگر وہ تمھاری ملکیت میں بالکل ہی نہیں ہیں ہاں اگر وہ کھلی بدکاری کا ارتکاب کریں تو اپنی خواب گاہیں ان سے الگ کر لو اور انہیں اس طرح مارو کہ انہیں تکلیف نہ ہو اور جب وہ شریعت کے مطابق تمھاری فرمانبرداری کریں تو تم ان کے خلاف بغاوت کا راستہ اختیار نہ کرو)۔

اس حدیث میں بیوی کو "عوان" کہا گیا ہے جس کے معانی محض قیدی کے نہیں ہو سکتے کیونکہ اس کے متصل بعد کے حدیث کے الفاظ میں اس کا رد موجود ہے اور وہ الفاظ یہ ہیں: " لیس تملکون منهن شیأ کہ وہ کسی طرح سے بھی تمھاری ملکیت میں نہیں ہے یعنی وہ تمھاری یک طرفہ خواہشات کی پابند نہیں۔ اس لیے "عوان "کے معنی شرعی احکام، شرم وحیا، حجاب کی پابندی اور شوہر کے ان احکام کی پابندی کے ہیں جو شرعی حدود کے اندر ہوں۔

دوسرا جواب: شوہر کو حکم دیا گیا: ﴿لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ﴾ (۴۴)(اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی مالی وسعت کے مطابق بیوی کو نفقہ دے)۔ غلاموں کے بارے میں صحیح حدیث میں ہے: "وہ تمھارے بھائی ہیں جس طرح تم کھاتے ہو اسی طرح ان کو بھی کھلاؤ" (۴۵)۔ اس کے علاوہ معمولی زیادتی کی وجہ سے سزا کے طور پر مالک کو حکم دیا گیا کہ وہ غلام کو آزاد کرد(۴۶)۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک مقدمہ میں مالک کو سو کوڑوں کی سزا اس لئے دی کہ اس نے اپنے غلام سے زیادتی کی تھی (۴۷)۔

جب غلام کا یہ عالم ہے تو بیوی کی کیا حیثیت ہو گی۔ اس لئے بیوی کا نفقہ بالاتفاق تمام فقہاء کے نزدیک تین مدارج میں فرض کیا گیا اور یہ اسلام کے بنیادی احکام میں سے ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان بلکہ دوسرے انسان کی عزت نفس کا خیال رکھے۔ اس لئے ان تمام اصولوں کی بناء پر یہ گنجائش نہیں رہ جاتی کہ ہم یہ کہیں کہ بیوی اور اقارب کا نفقہ محض انہیں زندہ رکھنے کے لئے فرض ہوتا ہے۔ بلکہ قرآنی اصول یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان کا نفقہ جان کر یا غفلت سے مقررہ معیار سے کم کرنا ان کے حقوق کا استحصال ہے کیونکہ حدیث میں ہے: "ألاوحقهن علیکم أن تحسنوا إلیهن فی کسوتهن وطعامهن" (۴۸) (سنو! تم پر تمھاری بیویوں کا یہ حق ہے کہ تم ان کے لباس اور طعام میں اچھا معیار اختیار کرو)۔ دوسری حدیث میں ہے: "اطعموهن مماتاكلون" (۴۹) (جو کچھ خود کھاتے ہو اسی میں بیویوں کو کھلاؤ)۔

تیسرا جواب: یہ کہ یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی بعثت سے قبل پوری دنیا کے خاندانی اور معاشرتی نظام پر جاگیرداری اور اجارہ داری چھائی ہوئی تھی جو کہ اسلام کے بین الاقوامی فروغ کے باوجود مسلم علاقوں کے سوا باقی دنیا میں قائم رہی۔ ازمنہ وسطی کا یورپ (مغرب) اس کا ایک اہم مرکز تھا جہاں عورت کو پہلے باپ کی اور پھر شوہر کی ملکیت سمجھا جاتا تھا اور شوہر کی وفات ہو جاتی تو اس کا نائب ایک مرد اس کی تمام تر جائیداد کے ساتھ اس کی بیوہ کا مالک بن جاتا تھا (۵۰)۔

اس کے برعکس اسلام میں عورت کو ایک انسان کی حیثیت سے خلیفۃ اللہ کے مقام پر فائز کیا گیا ہے۔ اس لئے مذکورہ بالا دلیل میں عورتوں کے جس فساد کا ذکر کیا گیا ہے اس کا تعلق کسی عورت کی فطرت سے ہرگز نھیں ہو سکتا بلکہ وہ عالمی فساد، عالمی اجارہ داری اور خواتین کی تعلیم وتربیت کی کمی کی وجہ سے ہے۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ جو انسان کم ظرف ہو، اسے معمولی اہمیت دی جائے تو وہ بڑے مسائل کھڑے کر دیتا ہے۔اس کی کم ظرفی کا امکان اگرچہ عورت کی طرح مرد میں بھی ہوتا ہے لیکن عالمی سطح پر انسانی معاشروں میں اسلامی تعلیم وتربیت کی کمی کی وجہ سے اس کمزوری اور کم ظرفی کا تناسب مردوں کی بہ نسبت خواتین میں زیادہ رہا ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ حدیث کے مطابق جہنم میں مردوں کی بہ نسبت خواتین کی کثرت کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس کا صحیح حل اسلام کے ایمانی، اخلاقی اور تربیتی نظام میں مکمل طور پر موجود ہے اور اسی بنا پر شوہر کو محدود ومشروط سرزنش کی اور بیوی کو اپنے بزرگوں اور عدالت سے شکایت کرنے کی اجازت دی گئی ہے لیکن اس کمزوری کی بناپر بیویوں کے استحصال اور ظلم کا وہ دروازہ نہیں کھولا جاسکتا جس دروازے کو رحمۃ للعالمین ﷺ کی آمد سے بند کیا گیا تھا۔ اس لئے اسلامی احکام کا نتیجہ یہ نکلا کہ فقہاء احناف نے کہا اگر بیوی گھر کا کام نہیں کرنا چاہتی تو قانونی طور پر شوہر اسے مجبور نہیں کر سکتا بلکہ اس پر ضروری ہے کہ تیار کیا ہوا کھانا اسے مہیا کرے (۵۱)۔

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ حافظ ابن قیمؒ جیسی جلیل القدر شخصیت کا مذکورہ بالا بیان تسامح اور قول شاذ ہے۔اور یہ بھی واضح رہے کہ اس کے نتیجے میں بحث اور جدال کا نیا دروازہ کھولنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے، ایک انسان خواہ جتنا بھی بڑا متقی اور عالم ہو اس میں اجتہادی بھول کا امکان ہوتا ہے، اس لئے اپنے مخلص اسلاف کو ہدف تنقید بنانا ایک جرم ہے۔اور اختلافی آراء میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

سابقہ نفقہ کے وجوب کے دلائل:

دلیل اوّل: اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی ہے: ﴿وَعلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾(۵۲) (عرف کے مطابق بیوی کا نفقہ اور لباس بچوں کے باپ پر واجب ہے)۔

دلیل دوم: دوسری آیت مبارکہ ہے: ﴿لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْساً إلاما آتاها﴾ (۵۳) (مالی وسعت رکھنے والے شوہر پر لازم ہے کہ بیوی کا خرچہ دے اللہ تعالیٰ کسی شخص پر اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتے)۔مذکورہ بالا دونوں آیات کے عمومی حکم میں صحیح نکاح کے بعد بیوی کا سابقہ، موجودہ اور مستقبل کا نفقہ شامل ہے البتہ مستقبل کے نفقہ کا عملی ظہور اپنے وقت پر ہوتا ہے اور بعض نفقات (مثلاً بوقت ناداریٔ شوہر اور بوقت نشوز بیوی وغیرہ) بھی اصولوں کی بناپر اس حکم سے خارج ہو جاتے ہیں۔لیکن سابقہ نفقہ کا استثناء کسی نص اور کسی اصول کے تحت ثابت نہیں ہوتا۔

اس کے جواب میں امام کاسانیؒ فرماتے ہیں: ''لاحجة فى آيتين لأن فيهما وجوب النفقه لابقاءها واجبة، لأنهما لايتعرضان الوقت فلوثبت البقاء إنمايثبت باستصحاب الحال، فإنه لايصلح لإلزام

الخصم "(۵۴) (یہ دونوں آیات سابقہ نفقہ کی دلیل نہیں بن سکتیں، کیونکہ ان آیات میں صرف وجوب نفقہ کا ذکر ہے، اس وجوب کے باقی رہنے کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ ان آیات میں وقت کا ذکر نہیں کیا گیا اس لئے فوری وجوب تو ثابت ہوگا مگر وقت گزرنے کے بعد استصحاب کے اصول کے تحت نفقہ ثابت کرنا ہوگا اور استصحاب ایک کمزور دلیل ہے جس سے قائلین کا مؤقف مضبوطی سے ثابت نہیں ہو سکتا)۔

جواب: "استصحاب" کا مفہوم یہ ہے: 'سریان الحکم الشرعی الثابت سابقاً للشیئ حتی یقوم دلیل علی زواله"(۵۵)(ایک مسئلہ کے ثابت شدہ سابقہ شرعی حکم کو اس وقت تک باقی رکھنا جس وقت تک کہ اس حکم کے زوال اور سقوط کی دلیل قائم ہو جائے)۔

اصول فقہ کا مطالعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ دراصل استصحاب کے اصول کا اطلاق وہاں ہوتا ہے جہاں ایک شرعی حکم "مظنون البقاء" ہو یعنی اس میں کوئی شک پیدا ہو جائے (۵۶)۔ تو اگر شک بڑھتے ہوئے یقین میں بدل جائے تو وہ حکم ساقط ہو جاتا ہے لیکن جب تک وہ شک یقین سے نہ بدلے تب تک شرعی حکم جاری رکھا جاتا ہے اور اسی کو استصحاب کا نام دیا گیا۔ اس لئے استصحاب کا ایک اہم قاعدہ کلیہ یہ ہے "الیقین لایزول بالشک"(۵۷)(یقین شک سے زائل نہیں ہوتا)۔ جیسا کہ "مفقود الخبر" کا وجود مشکوک ہو جاتا ہے اس لئے اسے کسی رشتہ دار کی وفات پر اس کا وارث قرار دینے میں استصحاب کے اصول سے استدلال کیا جاتا ہے (۵۸)۔

زیر بحث مسئلہ کا تعلق اصول "استصحاب" سے نہیں ہے کیونکہ جو احکام وقت سے مقید ہوں، وقت گزرنے کے بعد ان احکام کا اجراء اصول استصحاب سے ثابت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ عبادات اربعہ اگر بروقت ادا نہ کی جائیں تو ان کی فرضیت وقت گزرنے کے بعد مشکوک نہیں ہو جاتی اور وقت کی قید کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ وقت گزرنے کے بعد وہ حکم ساقط ہو جائے گا بلکہ وقت کی قید ایک مستقل حکم ہوتا ہے اس لئے اگر شوہر نے بلاوجہ نفقہ کی عدم ادائیگی سے بیوی کو اذیت دی ہو یا اس کی صحت اور عزت و وقار کو نقصان پہنچایا ہو تو وقت گزرنے کے بعد نفقہ کا وجوب کیسے مشکوک ہو گیا کہ ہمیں استصحاب کے اصول کی ضرورت پڑ گئی؟ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حکم کو کسی شرعی ضرورت کے بغیر اپنے طور پر مشکوک قرار دینا تو ایک ظالم کے ظلم اور مجرم کے جرم کو تقویت دینا ہے جو کہ اسلامی اصولوں کی روشنی میں کسی طور پر بھی درست نہیں معلوم ہوتا۔

دلیل سوم: بیویوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ شوہر انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچائیں (۵۹)۔ لہٰذا جس سابقہ نفقہ کی عدم ادائیگی سے بیوی کو تکلیف اُٹھانی پڑی ہو، خواہ شوہر نے جان کر کیا ہو یا بھول کر، ایسے میں سابقہ نفقہ قانونی طور پر ساقط کرنا حکم الٰہی کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

دلیل چہارم: امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی سرکاری تحریر میں، اپنے گھروں سے دور جانے والے مجاہدین کو یہ حکم جاری کیا کہ وہ اپنی بیویوں کا نفقہ دیں یا طلاق، اور اگر وہ طلاق دینا چاہیں تو انہیں گزشتہ زمانے کا نفقہ بھی دینا ہوگا(٦٠)۔اس حکم نامہ پر جب کسی صحابی کا اختلاف منقول نہیں تو اس سے تمام صحابہ کرامؓ کا اتفاق معلوم ہوتا ہے۔

حافظ ابن قیمؒ اس دلیل پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں نفقہ نہ دینے والے ہر شوہر پر سابقہ نفقہ واجب نہیں کیا گیا بلکہ جو شوہر طلاق دینا چاہے صرف اس پر واجب کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس فرمان سے ہر سابقہ نفقہ کا وجوب ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان میں سابقہ نفقہ کے وجوب کے ساتھ طلاق کا ذکر ممکن ہے کہ محض تاکید کے طور پر آیا ہو جیسا کہ قرآن مجید میں رہن کے جواز کے لئے سفر اور کتابت کی قید بطور تاکید موجود ہے(٦١)۔اسی طرح حدیث میں نماز کے لئے جانے والے شخص کو وقار سے چلنے اور جلد بازی نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے(٦٢)۔ ممکن ہے کہ یہی حال قول عمر کا ہو کیونکہ جس طرح طلاق کی صورت میں سابقہ نفقہ بیوی کا حق ہے اسی طرح طلاق کی عدم موجودگی میں بھی اس کا حق ہے۔ البتہ طلاق کی صورت میں اس کی ضرورت آخری ملاقات کی وجہ سے بڑھ جاتی ہے جس طرح سفر میں رہن کی اور نماز کی طرف جانے کے لئے وقار سے چلنے کی ضرورت بڑھ جاتی ہے۔ ورنہ رہن کی اجازت، چلنے کے لئے وقار اور سابق نفقہ کا وجوب، عمومی احکام ہیں۔

دلیل پنجم: سابقہ نفقہ کے وجوب کی ایک اہم دلیل یہ بھی ہے کہ بیوی کا نفقہ شرعی اور عقلی دلائل کی بنیاد پر بیوی کی گھریلو بے شمار خدمات کا معاوضہ ہے اور یہ دلائل سطور بالا میں (سابقہ نفقہ کے عدم وجوب کے پہلے دو دلائل کے جوابات میں) تفصیل سے بیان کئے جاچکے ہیں۔اس لئے بیوی کے نفقہ کو اجارہ کے مثل کہہ کر ازدواجی زندگی کو کاروبار کے مشابہ نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ خاندانی زندگی میں بیوی کا شرعی مقام اجارہ سے کہیں زیادہ بالا ہے۔ اسے مادی پیمانوں سے نہیں ماپا جاسکتا۔ قرآن حکیم کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے(٦٣)۔ ایک صحیح بیوی ہی اپنی اولاد کے لئے سچی ممتا کی حامل بنتی ہے اور اسے صحیح بیوی بنانے کے لئے مرد پر کچھ فرائض عائد کئے گئے ہیں تاکہ گھر ایک پرسکون ادارہ اور نئی نسل کی تربیت گاہ بن سکے۔ اگر گھر میں زوجین کو ایک دوسرے سے اپنائیت حاصل نہ ہو یا ایک فرد کو دوسرے فرد کی ملکیت سمجھا جارہا ہو، اس سے فرق کیا جائے، اس کی عزت نفس مجروح ہو تو پھر گھر کو ایک پرسکون ادارہ نہیں بنایا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے شوہر کے مملوکہ گھر کو بیوی کا گھر قرار دے کر فرمایا: ﴿لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ

بُيُوتِهِنَّ﴾ (۶۴) (انہیں عدت کے دوران اپنے گھروں سے نہ نکالو)۔ معلوم ہوا نکاح کے بعد گھر اور اس کی تمام اشیاء میاں بیوی دونوں کی ہوتی ہیں نہ کہ صرف مرد کی۔

دلیل ششم: بیوی کے گزشتہ زمانے کے نفقہ کی ایک معقول دلیل یہ بھی ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ شرعی احکام کے مطابق سابقہ نفقہ واجب نہیں ہے تو اس سے بیوی کے نفقہ کی وقعت وحیثیت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ شوہر کو یہ راستہ مل جاتا ہے کہ وہ اس میں کوتاہی کرے اور پھر یہ کہے کہ شریعت میں تو نفقہ ہدیہ ہے اور سابقہ نفقہ واجب نہیں ہے۔ اس طرح نفقہ کا حکم ایک مزاق بن کر رہ جاتا ہے، اس سے بیوی کے تمام حقوق کی اہمیت متاثر ہوتی ہے، شوہر کا ظالمانہ تسلط قائم ہوتا ہے اور نفقہ کے متعلق جو احکام کتاب وسنت اور کتب فقہ میں موجود ہیں ان کی حیثیت بھی کمزور ہو جاتی ہے لہٰذا ہمیں اپنی عقل کے ذریعے اللہ کے احکام کو ایسی تعبیر دینے سے اجتناب کرنا ضروری ہے جس تعبیر سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اہمیت کم ہو۔

دلیل ہفتم: خطبۂ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے ہر انسان کی جان، مال اور عزت کے تحفظ کو اس کے بنیادی حقوق کی حیثیت سے پیش کیا ہے(۶۵)، قرآن مجید میں شوہر کو اپنی بیوی پر مال خرچ کرنے کی وجہ سے بیوی کا نگران وقوام بنایا گیا ہے(۶۶)۔ اِن دونوں احکام کا ایک ساتھ مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ بیوی کا نفقہ اس کی بنیادی حقوق میں سے ایک مالی حق ہے جو عقد نکاح کے ساتھ ہی بطور ایک فریضہ کے قائم ہو جاتا ہے ا۔ کیونکہ قرآن کے مطابق عقد نکاح سے شوہر کو جس ازدواجی منصب پر فائز کیا گیا ہے اس کی بنیاد میں انفاق مال کا تذکرہ موجود ہے۔ لہٰذا یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ "نفقہ" ایک ایسا ہدیہ ہے جو روزانہ صبح کو ضروری ہو جاتا ہے اور شام کو ادائیگی کے بغیر ساقط ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بحث سے معلوم ہوا: فقہائے احناف، بشمول حافظ ابن قیمؒ کی رائے ہے کہ سابقہ نفقہ قاضی کے فیصلے اور زوجین کے متفقہ تعین کے بغیر شوہر پر واجب نہیں ہے۔ ان حضرات نے اپنے دلائل میں بیوی کے نفقہ کو بنیادی طور پر ایک استحبابی ہدیہ قرار دیا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ اس کی پرزور تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'وهذا القول هوالصحيح المختار الذى لاتقتضى الشريعةغيره"(۶۷)

(یہی قول پسندیدہ اور صحیح ہے اور شریعت کا تقاضا اس کے سوا ہو ہی نہیں سکتا)۔ مصر کے معروف فقیہ شیخ ابوزہرہؒ بھی اسی کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں:

"وعندی الأولی هو الرجوع الی مذهب ابی حنیفة فی هذا"(۶۸)

(میرے نزدیک اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کو اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے)۔

لیکن جمہور ائمہ متقدمین اور عصر حاضر کے زیادہ تر فقہاء اور قانون اسلام کے ماہرین سابقہ نفقہ کو قاضی کے فیصلے کے بغیر بھی قرض کی حیثیت سے واجب قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر وھبہ زحیلی لکھتے ہیں: "والراجح لدی رأی الجمہور"(۶۹) (میرے نزدیک جمہور فقہاء کی رائے راجح ہے)۔ اسی طرح سید سابق(۷۰)، ڈاکٹر عبدالکریم زیدان(۷۱)اور جسٹس تنزیل الرحمن(۷۲) نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

دونوں جانب کے دلائل کا تجزیاتی مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ سابقہ نفقہ کی عدم ادائیگی کی نوعیت کو پرکھنے کی ضرورت ہے: اگر عدم ادائیگی سے بیوی کو تکلیف نہیں ہوئی اور شوہر کی طرف سے کوئی غفلت سرزد نہ ہو تو احناف کا مؤقف اپنایا جاسکتا ہے اور اگر شوہر کی غفلت سے بیوی کو اذیت پہنچی ہو تو جمہور کے مطابق سابقہ نفقہ شوہر پر قرض ہے اور اگر شوہر نے جان بوجھ کر بیوی کو تنگ کیا ہو تو اس سے سابقہ نفقہ کے ساتھ سزا کے طور پر اضافی رقم بھی وصول کی جاسکتی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱ ابن ہمام، کمال الدین محمد، فتح القدیر (مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، تاریخ ندارد) ۴ / ۱۹۳؛ ابن قدامہ، موفق الدین المغنی (دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء)، ۹ ۲۳۰؛ ابن رشد، بدایۃ المجتہد (مکتبہ علمیہ، لاہور، طبع اول، ۱۹۷۶ء)، ۲ ۴۵؛ بدران، ابوالعینین، الزواج والطلاق فی الاسلام (دار المعارف، اسکندریہ، طبع دوم، ۱۹۶۴ء)، ص ۲۳۴۔

۲ مرغینانی، ہدایہ، مع فتح القدیر (مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)، ۲۰۴/۴۔

۳ ابن نجیم، بحر الرائق (ایچ، ایم سعید کمپنی، کراچی)، ۱۸۷/۴

۴ ابن ہمام، فتح القدیر، ۲۰۴/۴۔

۵ ابن نجیم، بحر الرائق (ایچ، ایم سعید کمپنی، کراچی)، ۱۸۷/۴

۶ ابوزہرہ، محاضرات فی عقد الزواج وآثارہ (دار الفکر العربی، قاہرہ، ۱۹۷۱ء)، ص ۳۱۵۔

۷ ابن عابدین، ردالمحتار (احیاء التراث العربی، بیروت)، ۶۴۹/۵۔

۸ ابن ہمام، فتح القدیر، ۲۰۴/۴۔؛ ابوزہرہ، الاحوال الشخصیہ (دار الفکر العربی، قاہرہ، طبع دوم ۱۹۵۷ء)، ص ۲۵۴۔

۹ دردیر، الشرح الصغیر (دار احیاء الکتب العربیہ، عیسی البابی الحلبی، مصر)، ۷۴۳/۲۔

۱۰ محمد علیش، منح الجلیل (مکتبہ النجاح، طرابلس، لیبیا)، ۴۴۱/۲۔

۱۱ شیرازی، ابراہیم، ابواسحاق، المہذب (مصطفی البابی الحلبی واولادہ، قاہرہ)، ۲۱۰/۲۔

۱۲ نووی، المجموع (دار الفکر، بیروت) ۲۷۵/۱۸۔

۱۳ ابن قدامہ، المغنی، ۲۵۱/۹۔

۱۴ القرآن الکریم، ۲:۲۳۳۔

۱۵ کاسانی، بدائع الصنائع (دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع دوم، ۱۹۸۶ء)،، ۲۶/۴۔

۱۶ القرآن الکریم، ۱۸:۱۹ (آیت مبارکہ ہے: ﴿ فَلْيَنظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَاماً فَلْيَأْتِكُم بِرِزْقٍ مِّنْهُ﴾ (کھانا خریدنے والے کو چاہئے کہ وہ پہلے خوب دیکھ بھال کرے کہ کون سا کھانا سب سے زیادہ صاف ستھرا ہے پھر وہ اسی میں سے تمھارا کھانا لائے)۔

۱۷ ایضا، ۲۹:۱۷ (آیت مبارکہ ہے: ﴿فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ﴾ (تم اللہ کے حکم کے مطابق روزی تلاش کرو)۔ ظاہر ہے کہ تلاش کیا ہوا مال جب اللہ کے حکم کے مطابق حلال طریقے سے ہو اس کو رزق کہا گیا ہے۔

۱۸ ایضا، ۵۱:۵۷ (آیت مبارکہ ہے: (ماارید منھم من رزق) (میں کفار سے رزق کا طلب گار نہیں ہوں)۔ اور اسی کی وضاحت قرآن مجید میں یوں بھی ہے: ﴿ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيه مِنْ أَجْرٍ﴾ (القرآن الکریم، ۲۶:۱۲۷) (میں تم سے اپنی محنت کا اجر نہیں چاہتا)۔ ان دونوں آیات کو ملانے سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ یہاں پر رزق کے معنی اجر اور بدلہ کے ہیں)۔

۱۹ ایضا، ۷۲: ۲۳ (آیت مبارکہ ہے: ﴿أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجاً فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيرٌ وَهُوَ خَيرُ الرَّازِقِيْنَ﴾ (کیا آپ ان سے کوئی خراج وبدلہ چاہتے ہیں، آپ کے رب کی طرف سے دیا جانے والا خراج بہتر ہے اور وہی بہترین رازق ہے)۔ اس آیت میں رزق کو خراج کے مترادف قرار دیا ہے اور جب اس کی نسبت اللہ کی طرف ہو گی تو ہدیہ مراد ہو گا لیکن جب کافروں کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے تو وہ ہدیہ نہیں بدلہ ہو گا۔

۲۰ ایضا، ۳۹: ۳۴ (آیت مبارکہ ہے: ﴿ وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيرُ الرَّازِقِيْنَ﴾ (جو کچھ بھی تم اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ عطا کریں گے اور وہی بہترین رازق ہیں)۔ یہاں پر لفظ ''رزق'' بھی خلف کی تائید کے لئے لایا گیا ہے اور خلف کا معنی بدلہ ومعاوضہ ہے۔

۲۱ ایضا، ۲۴: ۴۔

۲۲ کاسانی، بدائع الصنائع، ۲۶/۴؛ ابن ہمام، فتح القدیر، ۲۰۴/۴؛ ابن قیم، زاد المعاد، ۳۷۸/۵؛ ابوزہرہ، الاحوال الشخصیہ، ص ۲۴۸۔

۲۳ ابن قیم، زاد المعاد (موئسسۃ الرسالۃ، بیروت، طبع ۱۹۹۴، ۲۷ء)، ۳۷۸/۵۔

۲۴ القرآن الکریم، ۲۲۸:۲۔

۲۵ کاسانی، بدائع الصنائع، ۱۶/۴۔

۲۶ زرقاء، المدخل الفقہی العام (مطابع الف باء، الأدیب، دمشق، طبع نہم، ۱۹۶۸ء)، ۵۶۴/۲۔

۲۷ القرآن الکریم، ۳۴: ۴۔

۲۸ زحیلی، وھبہ بن مصطفیٰ، الفقہ الاسلامی وادلتہ (دار الفکر، دمشق، طباعت: ۱۲)، ۶۷۷۲/۹۔

۲۹ القرآن الکریم، ۷: ۶۵۔

۳۰ ابن ہمام، فتح القدیر، ۱۹۴/۴؛ علیش، منح الجلیل، ۴۳۲/۲؛ شربینی، خطیب، مغنی المحتاج (مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، قاہرہ، ۱۹۵۸ء)، ۴۲۶/۳؛ ابن قدامہ، المغنی، ۲۳۱/۹۔

۳۱ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۲۵۳/۷۔

۳۲ القرآن الکریم، ۵: ۴۔

۳۳ ایضاً، ۱۵: ۴۶۔

۳۴ ایضاً، ۲۳: ۱۷۔

۳۵ ابن قیم، زاد المعاد، ۳۷۶/۵۔

۳۶ القرآن الکریم، ۲۳۳:۲

۳۷ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر (ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)؛ سیوطی، الاشباہ والنظائر (مکتبہ مصطفیٰ البابی، الحلبی، مصر ۱۹۰۹ء)، ص ۵۲۶۔

۳۸ ابوزہرہ، الاحوال الشخصیہ، ص ۲۵۰۔

۳۹ ابن قیم، زاد المعاد، ۳۷۹/۵۔

۴۰ االقرآن الکریم، ۴۹:۱۳ ﴿إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾۔

۴۱ ایضا، ۴:۵۸ ﴿إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا﴾۔

۴۲ ایضا، ۳۳:۷۲ ﴿وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوماً جَهُولاً﴾۔

۴۳ ابن ابی شیبہ، المسند (دار الوطن، طباعت اول، ریاض، ۱۹۹۷ء)، ۵۶/۲ (حدیث عمر بن احوص، حدیث نمبر: ۵۶۲)؛ ترمذی، السنن (دار الغرب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۸ء)، ۲ /۴۵۸ (باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجہا، حدیث نمبر: ۱۱۶۳) ابن ماجہ، السنن، مع تحقیق: شعیب الارنؤوط (دار الرسالہ العالمیہ، طباعت اول، ۲۰۰۹ء) ۳ / ۵۷ (باب حق المراۃ علی الزوج حدیث نمبر: ۱۸۵۱)۔

۴۴ القرآن الکریم، ۶۵:۷۔

۴۵ بخاری، الجامع الصحیح (دار السلام، الریاض، طبع دوم، ۱۹۹۹ء)، ص ۴۱۱ (کتاب العتق، باب قول النبی ﷺ العبید اخوانکم، حدیث نمبر: ۲۵۴۵)۔

۴۶ مالک، مؤطا، مع تحقیق: الاعظمی (مؤسسہ زاید بن سلطان، ابوظبی، الامارات، طباعت اول، ۲۰۰۴ء)، ۵ / ۱۱۲۷ (باب عتق امہات الاولاد، حدیث نمبر: ۲۸۷۲)۔

۴۷ دار قطنی، السنن (مؤسسہ الرسالہ، بیروت، طباعت اول، ۲۰۰۴ء)، ۲۰۹/۴ (کتاب الحدود والدیات، حدیث نمبر: ۳۳۴۲)۔

۴۸ ترمذی، السنن، مع تحقیق: بشار عواد (دار الغرب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۸ء)، ۵ /۱۲۵ (باب ومن سورۃ التوبۃ، حدیث نمبر: ۳۰۸۷)۔

۴۹ ابوداؤد، السنن، مع تحقیق: شعیب الارنوءوط (دار الرسالۃ العالمیۃ، طباعت اول، ۲۰۰۹ء) ۳ /۴۷۸ (باب فی حق المراۃ علی زوجہا، حدیث نمبر: ۲۱۴۴)۔

۵۰ سر ہنری مین، قدیم قانون، مترجم: مسعود علی، مولوی (دار الطبع جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن، تاریخ طبع ندارد)، ص ۱۱۸-۱۲۰۔

۵۱ کاسانی، بدائع الصنائع، ۲۴/۴؛ ابن عابدین، رد المحتار، ۲۳۲/۵؛ فتاوی ہندیہ، مترجم: امیر علی (حامد اینڈ کمپنی، لاہور)، ۵۸۷/۲۔

۵۲ القرآن الکریم، ۴:۵۹ ﴿إِن تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ﴾۔

۵۳ ایضاً، ۶۵:۷۔

۵۴ کاسانی، بدائع الصنائع، ۲۶/۴۔

۵۵ الکردی، احمد الحجی، المدخل الفقہی (مطبعہ الانشاء، دمشق، ۱۹۸۴ء)، ص ۵۰۔

۵۶ زحیلی، اصول الفقہ الاسلامی (دار احسان، طہران، طباعت اول، ۱۹۹۷ء)، ۲/۸۵۹۔

۵۷ اتاشی، محمد خالد، شرح مجلّہ، مترجم: امجد علی، مفتی (ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، اشاعت اول، ۱۹۸۶ء)، ص۱۹؛ عطیہ، جمال الدین، النظریۃ العامہ للشریعۃ الاسلامیہ، مترجم: حبیب الرحمٰن، حافظ (شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء)، ص۱۶۴۔

۵۸ زحیلی، الوسیط فی اصول الفقہ الاسلامی (مطبعہ دار الکتب، دمشق، ۱۹۷۸ء)، ص۴۲۱؛ بدخشانی، تیسیر اصول الفقہ (بیت العلم، کراچی، طبع دوم، ۱۴۱۶ھ)، ص۱۶۷۔

۵۹ القرآن الکریم، ۶: ۶۵۔

۶۰ شافعی، المسند (دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۵۱ء)، ۲/ ۶۵ (باب التاسع فی النفقات، حدیث نمبر: ۲۱۳)؛ بیہقی، السنن الکبری (مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد دکن، طبع اول، ۱۹۳۵)، ۷/۴۶۹ (باب الرجل لایجد نفقۃ امراتہ، حدیث نمبر: ۱۵۷۰۶)؛ ابن حجر، بلوغ المرام، مع تعلیق اتحاف الکرام: صفی الرحمٰن مبارکپوری، ص ۳۴۳ (باب النفقات، حدیث نمبر: ۱۱۴۶)۔ شافعی، کتاب الام (دار المعرفۃ، بیروت)، ۵/۹۱۔

۶۱ القرآن الکریم، ۲۸۳: ۲۔

۶۲ بخاری، الصحیح الجامع، ص۱۰۵ (کتاب الاذان، باب لایسعی الی الصلوۃ حدیث نمبر: ۶۳۶)۔

۶۳ القرآن الکریم، ۲۳۱: ۲۔

۶۴ ایضاً، ۱: ۶۵۔

۶۵ بخاری، الصحیح الجامع، ص۲۸۰ (کتاب الحج، باب الخطبۃ ایام منی، حدیث نمبر: ۱۷۳۹)۔

۶۶ القرآن الکریم، ۳۴: ۴۔

۶۷ ابن قیم، زاد المعاد، ۵/۳۷۹۔

۶۸ ابوزہرہ، الاحوال الشخصیہ، ص ۲۵۲۔

۶۹ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۷/۸۱۶۔

۷۰ سید السابق، فقہ السنہ (الفتح للاعلام العربی، قاہرہ، ۱۹۹۲ء)، ۲/۳۳۵۔

۷۱ زیدان، عبد الکریم، المفصل فی احکام المراۃ والبیت المسلمۃ (موئسسۃ الرسالۃ، بیروت، طبع دوم، ۲۰۰۰ء)، ۷/۲۲۳۔

۷۲ تنزیل الرحمٰن، ڈاکٹر، جسٹس، مجموعہ قوانین اسلام، (ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، اشاعت دوم، ۱۹۶۵ء) ۱/۳۲۱۔